انتخابات کا طبقاتی تجزیہ((5

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

05-04-2013

پی پی پی نے طبقاتی، عوامی، نظریاتی اور اصولی سیاست کو رَد کرتے ہوئے اپنے اندر جاگیردار اور نودولتی کلاس کو مقام دینا شروع کر دیا اور پارٹی کی اعلیٰ ترین قیادت نے 1988ء میں طے کر لیا کہ ''کچھ بھی ہو'' حکومت قائم کی جائے، اقتدار میں شامل ہوا جائے، جیسا بھی اقتدار ملے حاصل تو کیا جائے۔ لہٰذا انہی اصولوں کے تحت 1988ء کے انتخابات لڑے گئے اور پھر حکومت بنائی گئی۔

یہی وہ مقام تھا جب پارٹی کی شریک چیئرپرسن محترمہ بےنظیر بھٹو سے ان کے جلاوطن بھائی میر مرتضیٰ بھٹو نے پہلا اختلاف کیا اور مشورہ دیا کہ ایسے اقتدار اور سیاست سے بہتر ہے کہ اپوزیشن میں بیٹھا جائے اور پارٹی کو جاگیرداروں، نودولتیوں اور ضیاالحق کی باقیات کے ہاتھوں دینے کی بجائے عوامی بنیادوں پر منظم کیا جائے۔ نام نہاد ''بےنظیر ڈاکٹرائن''، عوام کی سیاست کی بجائے اقتدار کی سیاست کے لیے تھا۔ یہ مقامی اور عالمی سیاسی مراکز سے مفاہمت کا عنوان تھا۔ انہوں نے ہر قیمت پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے پارٹی کی نظریاتی اساس کی قیمت ادا کرنا شروع کر دی اور یوں دراصل پی پی پی روایتی سیاست کی جانب گامزن ہوگئی جب کہ ان کے والد نے موت کی کوٹھڑی سے ایک مختصر کتابی تحریر (میری پیاری بیٹی) میں اپنی بیٹی کو نصیحت کی تھی کہ ''خدا کی جنت ماں کے قدموں تلے اور سیاست کی جنت غریب کے قدموں تلے ہے۔'' لیکن اقتدار کی سیاست میں ایسی شاعرانہ سیاست کی اہمیت کہاں!

1988ء کے انتخابات تک پاکستان کی سیاست اور سماج میں، فرقہ پرستی، ذات، برادری، قبیلہ، خاندان اور دیگر نسلی شناخت کے رجحانات دوبارہ جڑیں پکڑ چکے تھے۔ ریاست کی سطح پر ایک بار پھر معاشی اور اقتصادی اصلاحات، سرمایہ دارانہ اور عالمی مالیاتی اداروں کی ڈکٹیشن پر وضع کی جانے لگیں۔ جنرل ضیاالحق کی آمریت نے پاکستانی معیشت کو عالمی سرمایہ دارانہ پالیسیوں کے تحت دوبارہ اپنانے کا آغاز کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت (دسمبر 1971ء-5 جولائی 1977ء) نے پاکستانی معیشت کو خودمختاری اور خودانحصاری کے تحت چلایا۔ جنرل ضیاالحق نے طبقاتی بنیادوں پر وضع کی گئی معاشی واقتصادی پالیسیوں کو مسترد کرتے ہوئے ڈی نیشنلائزیشن اور عالمی سرمایہ داری کو پاکستانی معیشت میں راستہ فراہم کیا۔ یہی نہیں بلکہ جنرل ضیاالحق نے پاکستان کی خارجہ اور سٹریٹجک پالیسی بھی عالمی سرمایہ داری کے تحت کر دی۔ نام نہاد افغان جہاد اسی پالیسی کا عروج تھا اور پاکستان کو عملی طور پر ایک ماتحت ریاست (Client State) بنا دیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برطانیہ کی مارگریٹ تھیچر نے پرائیویٹائزیشن متعارف کروا کر اپنے ہاں اور دنیا بھر میں سرمایہ داری نظام کی بھرپور واپسی کا آغاز کیا، اسی لیے پرائیویٹائزیشن کو تھیچرازم بھی کہا جاتا ہے۔ جنرل ضیاالحق نے 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں متعارف اور بعد میں عمل پذیر ذوالفقار علی بھٹو کی قوم پرست اور ترقی پسند معاشی اصلاحات کی واپسی کا آغاز کیا اور یوں سیاست میں سرمایہ دارانہ رجحانات کو دوبارہ تقویت ملی۔ جنرل ضیاالحق کی جانب سے لوگوں کو فرقہ اور نسل کی بنیاد پر تقسیم کرنے اور سرمایہ داری کی واپسی نے پاکستان کے انتخابی عمل میں اوپری طبقات کی واپسی کے تمام در کھول دیئے۔ اب درمیانے اور غریب طبقات کی سیاست اور انتخابی عمل میں ان کا کردار محدود ہونے لگا۔

1986ء میں محترمہ بےنظیر بھٹو نے پاکستان واپسی کے بعد ایک نئی سیاست کا آغاز کیا، جو ان کی 1977ء سے 1986ء

تک کی سیاست سے مختلف تھی۔ انہوں نے بھی عالمی سرمایہ داری کو سیاست اور سماج میں تقویت دی اور اوپری طبقات کے رجحانات کو اپنایا۔ وہ مارگریٹ تھیچر کی مداح تھیں۔ انہوں نے پاکستان واپسی پر پرائیویٹائزیشن سمیت تمام عالمی سرمایہ داری اور مالیاتی اداروں کی ڈکٹیشن کے تحت معاشی واقتصادی پالیسیاں اختیار کرنے کا اعلان کیا اور اس پر عمل شروع کر دیا۔ اور یوں درحقیقت انہوں نے گیارہ سالہ آمرانہ دَور کے متعارف کروائے گئے رجحانات کو اپنایا اور اپنی پارٹی، سیاست اور پھر حکومت اور اقتدار کے لیے وہ سب کچھ کیا جو روایتی سیاسی پارٹیاں کرتی ہیں۔

سماج میں بھٹو فیکٹر ایک اہم سیاسی محور تھا، لہٰذا 1988ء کے انتخابات میں اور اس کے بعد بھی یہ فیکٹر اپنی اہمیت بنائے رہا اور مرکنٹائل کلاس سے ابھرنے والے رہنما جناب میاں نواز شریف نے کمال مہارت سے اینٹی بھٹو فیکٹر کو اپنی سیاست کے اہم Instrument کے طور پر استعمال کیا اور سیاسی میدان میں پولرائزیشن کو مزید تقویت دے کر اپنی سیاست اور قیادت کو مضبوط کیا۔ یوں 1988ء کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی محترمہ بےنظیر بھٹو کے مدمقابل ایک ایسے سیاسی لیڈر نے سر اٹھایا جو نئی سماجی حقیقتوں کے سبب ابھرا تھا۔ لیکن دونوں جماعتوں اور قیادتوں کی سیاست عملاً اوپری طبقات کی سیاست کے گرد گھومتی تھی۔ دونوں سیاسی دھڑوں کی معیشت، اقتصادیات، خارجہ امور، زراعت سمیت تمام امور میں اب کوئی خاص فرق نہ رہا، سوائے دونوں کی تاریخ کے۔ دونوں دھڑوں کی سیاست میں شدت کا سبب دونوں دھڑوں کی مختلف تاریخ رکھنے کی بنیاد پر تھا اور پولرائزیشن درحقیقت دونوں دھڑوں کی سیاسی زندگی تھی۔ بعد میں 1990ء، 1993ء اور 1997ء میں ہونے والے انتخابات انہی رجحانات کے تحت ہوئے اور دونوں سیاسی دھڑوں نے آمرانہ دَور میں متعارف کروائے گئے رجحانات کو بدلنے کی بجائے ان رجحانات کو Lead کرنا شروع کر دیا۔ سیاست اور انتخابی عمل میں محکوم طبقات کا کردار محدود ہو گیا۔ دونوں سیاسی دھڑوں نے سیاست کے تاریخی تنازعات کی بنیاد پر ہی ایک دوسرے کی مخالفت کی اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے کی حکومت گرانے کی کوشش کرتے رہے۔ سیاست اور انتخابات کے عمل میں، فکر، نظریہ، منشور، طبقات غیر اہم ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جو سیاسی، معاشی اور سماجی رجحانات جنرل ضیاالحق نے متعارف کروائے، ملک کی دونوں بڑی پارٹیاں اُنہی کے زیر اثر چلنے لگیں۔ جمہوریت میں جمہور کا کردار محدود اور ''خاندانوں'' کا کردار بڑھا دیا گیا۔ پی پی پی اور مسلم لیگ (ن) اب گڈمڈ ہونے لگیں۔ پی پی پی نے جنرل ضیا کے ساتھیوں اور مسلم لیگ (ن) نے پی پی پی کے جاگیرداروں کے لیے دروازے کھول دیئے۔

12 اکتوبر 1999ء کو پاکستان نے چوتھی فوجی آمریت کا سامنا کیا۔ اس آمریت نے دونوں دھڑوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اتحاد کی بجائے دونوں سیاسی دھاروں کو مسترد کرتے ہوئے اپنی بنیاد پر حکمرانی کی۔ دونوں اہم اور قومی جماعتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شرکت اقتدار ریاست کی بجائے جنرل پرویز مشرف کی آمریت نے ''خودمختار'' فیصلے کیے اور بعد میں آنے والے عالمی واقعات (افغانستان اور مشرقِ وسطیٰ میں امریکی فوجی مداخلت) نے ثابت کیا کہ 12 اکتوبر 1999ء کو برپا کی گئی فوجی آمریت انہی حالات وواقعات کا پیش خیمہ تھی۔ اب امریکہ اور عالمی سرمایہ داری کو ایک طاقتور حکمران میسر آیا، جس کے ساتھ معاملات طے کرنا زیادہ آسان تھا۔ اس نے مقامی سطح پر بچی کھچی مختلف سیاسی باقیات میں اپنے اتحادی پیدا کیے اور 2002ء میں انتخابی عمل کا آغاز کر دیا۔ 2002ء کے انتخابات نے 1988ء سے جاری حکمران طبقات کی سیاست کو مزید تقویت دی اور اس طرح انتخابات، سیاست اور اقتدار میں جاگیردار، سرمایہ دار، نودولتی اشرافیہ اور دیگر فرقہ وارانہ گروہوں کو تقویت ملی۔

پاکستانی جمہوریت کی 1988ء سے بحال ہونے والی جمہوری تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو آپ آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ اسمبلیوں اور اقتدار میں وہ لوگ اہم سیاسی ہراول دستوں کی شکل میں نظر آنے لگے جنہوں نے جنرل ضیاالحق کے 1985ء کے انتخابات میں جنم لیا۔ سیاست اور انتخابی عمل میں کالے دھن اور اوپری طبقات کا کردار بڑھا اور پاکستان میں اشرافیائی جمہوریت کو تقویت ملی۔ 2008ء کے انتخابات سے قبل جب ملک کی دونوں متحارب سیاسی جماعتوں پی پی پی اور مسلم لیگ (ن) نے دیکھا کہ وقت کا دھارا تیزی سے بدل رہا ہے اور میدانِ عمل اور سیاست میں جسمانی وجود کی عدم دستیابی ایک خطرناک مستقبل کا پیغام دے رہی ہے تو دونوں قائدین، میاں نواز شریف اور